The political vision of Iqbal and the Ideologic foundation of Pakistan

اقبال کا سیاسی تخیل اور پاکستان کی فکری بنیادیں

Dr. Syed Sheraz Ali Zaidi*[1]
Assistant Professor, Incharge Department of Iqbal Studies, AIOU Islamabad.

[1]☆ڈاکٹر سید شیراز علی زیدی

اسسٹنٹ پروفیسر (انچارج) شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Correspondance:shiraz.ali@aiou.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 29-07-2026
Accepted:28-09-2026
Online:30-09-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Allama Iqbal was a great thinker who gave the idea of a separate country for Muslims. At first, he loved a united India, but after visiting Europe, he changed his mind. He realized that Western ideas were too materialistic. Instead, he promoted Muslim nationalism based on Islamic values. Iqbal wanted Muslims to learn modern science and industry to improve their economy. He also believed that Islamic laws should be updated for modern times. In 1930, he gave a famous speech demanding a separate Muslim state where everyone could live with justice, equality, and peace. The article reveals the vision and intellect of Iqbal for a separate Muslim state in the light of his poetry and prose.

KEYWORDS: vision, Ideology, Foundation, Pakistan, Iqbal Politics, History, Pakistan, Poetry

علامہ محمد اقبال برصغیر پاک وہند کے ایک عظیم مفکر تھے جنہوں نے اسلام کے سیاسی اصولوں کے مطابق علیحدہ مسلم وطن کے لیے تحریک چلائی۔ اقبال کی نظم و نثر پر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے ذہن میں شروع ہی سے ایک الگ مسلم ریاست کی واضح سیاسی خصوصیات موجود تھیں اور انھی کی بنیاد پر انہوں نے پاکستان کا تصور پیش کیا تھا۔ اقبال کی پاکستان کے لیے کی جانے والی تمام جدوجہد کو ان کے سیاسی نظریات کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ پاکستان کے لیے اقبال کی تمام فکری اور سیاسی جدوجہد کا اس مختصر مضمون میں احاطہ کرنا ممکن نہیں، لیکن چند اہم نکات کی طرف توجہ ضرور

مبذول کرائی جاسکتی ہے۔ اگر ہم اقبال کی ۱۹۰۵ تک کی ابتدائی شاعری پر نظر ڈالیں تو ہم ہندوستان اور ہندوستان کی سرزمین سے ان کی محبت واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں جو سامراج کی استحصالی پالیسیوں سے متاثر تھی۔ جیسے:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں (۱)

یہاں اقبال سامراجی نظام سے متاثر ہندوستان میں بسنے والی تمام قوموں سے مخاطب ہیں لیکن اس دور میں بھی نظم "ہمالہ" کے درج ذیل شعر سے ان کا موقف سمجھا جاسکتا ہے:

اے آبِ رودِ گنگا، وہ دن ہیں یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا (۲)

قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کو ایک مخصوص تناظر میں دیکھ رہے ہیں، جو مسلم قوم پرستی کا ابتدائی خاکہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلم قوم پرستی کے نقوش ان کی ابتدائی نثر میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ۱۹۰۴ میں "مخزن" میں شائع ہونے والے مضمون "قومی زندگی" میں ان کی پوری توجہ مسلمانوں کی طرف دیکھی گئی ہے اور قومی زندگی سے ان کا مطلب ہندوستانی قومیت نہیں بلکہ مسلم قومیت ہے۔ مذاہب عالم کی تاریخ میں اسلام کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ نے بنی آدم کو فطری آزادی کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے غلاموں اور آقاؤں کو برابری کے حقوق دے کر ایک ایسے تمدنی انقلاب کی بنیاد رکھی جس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد کو ساری دنیا محسوس کر رہی ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

"ایسا کرنا گویا نوعِ انسان کے ایک کثیر حصے کو آزاد مقابلے کے میدان میں واپس لے آنا تھا جس کے اثر سے تمدن و تہذیب کی اعلیٰ صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور جو دنیا کی تمام تہذیب و شائستگی کی بیخ و بنیاد ہے۔"(۳)

تاہم اسی مضمون میں وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی زبوں حالی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حوالے سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے حالات انتہائی خستہ معلوم ہوتے ہیں۔ شومئ قسمت سے مسلمان قوم حکومت گنوا چکی ہے، صنعت اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے، حد یہ کہ یہ قوم وقت کی ضرورتوں سے سے غافل ہو کر حسامِ غربت سے زخم خوردہ ایک لا یعنی توکل کا سہارا لیے کھڑی ہے: دوسری باتیں تو رہیں ایک طرف ان کے مذہبی تنازعات ہنوز فیصلہ طلب ہیں، روز ایک نیا فرقہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے خیال میں صرف وہ واحد فرقہ ہے جو جنت الفردوس کا اکلوتا وارث ہے۔ اس کی نظر میں باقی تمام انسان دوزخ کا ایندھن ہیں۔ غرضے کہ ان فرقہ پرستیوں اور فرقہ پرستوں کی وجہ سے اس نبی ﷺ کی امت جسے خیر

الامم کہا گیا ہے، مجتمع ہونے کی بجائے یوں انتشار کا شکار ہو گئی ہے کہ کہیں اور کسی مقام پر یکجا ہو جانے یا اتفاق و اتحاد کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔(۴)

اقبال فرد اور قوم کو ایک دوسرے کی بقا کا ضامن سمجھتے ہیں اور قوم کی ترقی کے لیے انفرادی محنت کو حقیقی عبادت سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر غور کیا جائے تو کسی شخص کا انفرادی وجود قوم سے ہٹ کر سوچا بھی نہیں جا سکتا اور قوم کا فرد ہونے کی حیثیت سے ایک فرد کا کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس کا اثر تمام قوم پر نہ پڑتا ہو۔ اس صورت میں بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہر شخص کی محنت اصل میں ایک قوم کا فعل ہے۔ لہٰذا قوم کا فرد ہونے کی حیثیت سے کسی شخص کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ پوری دیانت داری کے ساتھ اس تمدنی مقصد کی تکمیل کرے جس کی ذمے داری اسے قوم نے دی ہے اور اس بات کا حقیقی معنوں میں ادراک کر لے کہ اس کا انفرادی نشیب و فراز اصل میں قوم کا نشیب و فراز ہے اور یہی محنت عبادت کے نام سے موسوم ہے۔(۵)

اقبال کے تصورِ قوم کو سمجھنے کے لیے یہ مضمون بنیادی اہمیت کا حامل ہے، اس لیے اس مضمون کا مکمل مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اس مضمون میں اقبال نے جدید حالات کی روشنی میں اجتہاد اور اسلامی قانون کی نئی تشریح کی اہمیت پر بھی گفتگو کی ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ فقہاء کے دلائل، جن کا مجموعہ عام طور پر اسلامی شریعت کہلاتا ہے، ایک نئی نظر کی ضرورت ہے۔ اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ مذہب کے اصولوں میں کوئی موروثی خرابی ہے جو انہیں ہماری موجودہ تہذیب کی ضروریات کے لیے ناکافی بناتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ فقہاء کرام نے وقتاً فوقتاً قرآن و حدیث کے وسیع اصولوں کی بنیاد پر جو دلائل پیش کیے ہیں ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو خاص وقت کے لیے واقعی موزوں اور قابل عمل تھے لیکن موجودہ حالات کے لیے مناسب نہیں ہیں اور اگر ہم درپیش حالات زندگی کو درک کریں تو جیسے اس وقت ہمیں اصولوں کی تائید و توثیق کے لیے جدید الٰہیات کی ضرورت ہے، بعینہٖ اسلامی اصولوں کے لیے ایک عظیم اسلامی قانون کی ضرورت ہے۔ فکری اور تخیلاتی قوتیں اس قدر وسیع ہیں کہ وہ اسلامی قوانین کو صرف اصولوں کی بنیاد پر منظم اور ترتیب نہیں دے سکتا بلکہ تخیل کی طاقت سے اصولوں کو اس حد تک وسعت دے سکتا ہے کہ وہ موجودہ تہذیبی تقاضوں کی تمام ممکنہ صورتوں کا احاطہ کر سکے لیکن ان کے خیال میں اس قسم کے قانون کی تشکیل کے لیے شاید ایک زائد دماغ درکار ہیں اور اسے مکمل ہونے کے لیے کم از کم سو سال لگ سکتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں مسلم دنیا ابھی تک ایسا عالی دماغ قانون دان پیدا نہیں کر سکی۔(۶)

وہ صنعت اور دستکاری کی تعلیم کو مسلمانوں کی بقا کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر آپ دورِ جدید میں کسی قوم کی طاقت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو اس کی بندوقیں اور توپیں نہ دیکھیں بلکہ کارخانوں میں جا کر دیکھیں کہ وہ قوم اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کس حد تک دوسری قوموں پر انحصار کرتی ہے اور کس حد تک اپنی ضروریات خود پوری کرتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی میرے دل سے پوچھے تو میں پوری دیانت داری سے یہی جواب دوں گا کہ

میرے نزدیک اس بڑھئی کے دست کار ہاتھ جن کو تیشے کے مسلسل استعمال نے کھردا اور بھدا کر دیا ہے ان نرم و ملائم ہاتھوں کی نسبت ہزار گنا خوبصورت اور فائدہ مند ہیں جنھوں نے بجز قلم کسی اور چیز کا بوجھ اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔(۷)

وہ اپنی قوم کے نوجوانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ ایشیائی ملک جاپان کے تعلیمی نظام کا جائزہ لیں اور اس سے استفادہ کریں تا کہ وہ صنعتی طور پر ترقی یافتہ بن سکیں۔ ۱۹۰۴ میں لکھے گئے اس مضمون سے درج ذیل نکات واضح ہیں:

1 . اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان جانے سے پہلے ہی مسلمانوں اور مسلم قومیت کی طرف پوری طرح متوجہ تھے اور اپنی تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اسلامی تہذیب دنیا کی بہترین تہذیب ہے۔

2 . وہ ہندوستانی مسلمانوں کی معاشی حالت زار کے بارے میں فکر مند تھے اور جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تعلیمی نظام میں اصلاح کرنا چاہتے تھے۔

3 . وہ قوم کی تعمیر و ترقی میں فرد کے کردار کی ضرورت اور اہمیت سے بخوبی واقف تھے اور فرد اور قوم کے درمیان مضبوط روابط کی خواہش رکھتے تھے۔

4 . سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اسلامی فقہ کی ایک جدید تشکیل کی ضرورت سے بخوبی واقف تھے اور اس کے لیے ایک لوہے کی تلاش میں تھے۔

۱۹۰۵ میں اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ وہاں انہوں نے یورپی اور ہندوستانی تہذیبوں کا بغور مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ مغرب نے صرف مادیت کو اپنایا ہے اور روح کو چھوڑ دیا ہے۔ جب کہ مشرق نے روحانیت کو اپنا کر عملی زندگی سے فرار اختیار کر لیا تھا۔ جبکہ دونوں انسانی معاشرے کی ترقی اور پیشرفت کے لیے ناگزیر ہیں۔ مغرب کی عملی زندگی کو دیکھ کر اقبال نے شاعری ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ ان کے خیال میں محنت کش قوموں کو اس طرح کے مشاغل کی فرصت نہیں تھی۔ تاہم اپنے استاد آرنلڈ کے مشورے پر انھوں نے شاعری جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تا کہ شاعری کو قوم کی اصلاح کے لیے استعمال کیا جا سکے۔(۸) اس کا اظہار انہوں نے ایک غزل میں مدیر مخزن کو مخاطب کر کے بھی کیا ہے: "جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں انھیں مذاقِ سخن نہیں ہے" (۹)

اور شاعری کے ذریعے اپنی قوم کی رہنمائی کے اپنے فرض کو نبھانے کے عزم کا اظہار ان کی مارچ ۱۹۰۷ کی غزل کے ایک شعر میں نمایاں ہے:

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا (۱۰)

اس غزل میں انھوں نے اہلِ مغرب کو ان کی مادیت پرستی کے خطرات سے خبردار کرتے ہوئے تنبیہ کی ہے کہ خدا کی بستی کوئی دکان نہیں ہے، تم جسے کھرا سمجھ رہے ہو وہ دراصل کھوٹا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا (۱۱)

مغرب میں اپنے تقریباً تین سالہ قیام کے دوران اقبال اپنی تحقیق کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا زوال غیر اسلامی تصوف کی وجہ سے ہوا، جسے انھوں نے عجمی تصوف کہا، جس نے دنیا سے بے عملی اور فرار کا درس دیا، اور دوسرا یہ کہ وطن پرستی کا یورپی تصور مسلمانوں کے لیے انتہائی خطرناک تھا، جب کہ یورپی جذبہ قومیت پر مبنی قومیت اور قومیت پر مبنی اسلام پرستی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ سے واپسی کے بعد وہ اسلامی قومیت کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو خود انحصاری کا درس دینے کے لیے اسرار خودی جیسی طویل نظمیں تخلیق کرتے نظر آتے ہیں:

اے امینِ حکمتِ اُمّ الکتاب　　وحدتِ گم گشتۂ خود بازیاب
ما کہ دربانِ حصارِ ملّتیم　　کافر از ترکِ شعارِ ملّتیم (۱۲)

ترجمہ: اے ام الکتاب (قرآن کریم) کی حکمتوں کے امین (مسلمان) اپنی کھوئی ہوئی وحدت کو دوبارہ حاصل کر۔ ہم (مسلمان) جو ملت کے قلعے کے دربان ہیں۔ اپنی ملت کے شعار کو ترک کرنے کی وجہ سے کافر ہو گئے ہیں۔

اردو کلام میں بھی ایسے اشعار کثرت سے دیکھے جاسکتے ہیں جس میں وہ مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں کہ دوسری قوموں کی ترکیب تشکیل و تعمیر پر اپنی ملت کو قیاس نہ کریں کیوں کہ:

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نصب پر انحصار　　قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری (۱۳)

....

نہ ہے ستارے کی گردش نہ بازیٔ افلاک　　خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت و جاہ (۱۴)

اقبال کے تصور میں خود پسندی غرور اور تکبر کے معنی میں نظر نہیں آتی۔ خود پسندی سے مراد انسان کی اپنی خوبیوں کی پہچان ہے اور اسی طرح بے غرضی کا مطلب غفلت یا لاشعوری نہیں ہے بلکہ اپنی صلاحیتوں کو قوم کے لیے وقف کرنا ہے۔ فارسی تصنیف رموزِ بیخودی میں اس نے وضاحت کی ہے کہ اسرارِ نفس کا دوسرا حصہ کیا ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ اقبال اس وقت کے مروجہ سیاسی نظاموں پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ استعمار، آمریت، مارکسزم اور سامراج پر کڑی تنقید کے ساتھ ساتھ وہ جمہوریت کے مغربی تصور پر بھی کڑی تنقید کرتے ہیں، جس میں بندوں کو صرف شمار کیا جاتا ہے تولا نہیں جاتا:

ہم ملوکیت بدن را فربہی است　　سینۂ بے نورِ او از دل تہی است (۱۵)

ترجمہ: بادشاہت بھی جسم کو فربہ کرتی ہے اور اس کے بے نور سینے میں دل موجود نہیں ہے:

اشتراکیت پر تنقید کا انداز دیکھیے:

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد　　یہ پریشاں روزگار آشفتہ سر آشفتہ مو (۱۶)

مغربی طرز جمہوریت پر ان کی تنقید انتہائی سخت ہے۔ عام اشعار کے علاوہ مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ فرمائیں جس میں انہوں نے مغربی جمہوریت کے نتیجے میں منتخب ہونے والوں کا موازنہ گدھوں کے دماغ سے کیا ہے۔ وہ قوم کو بالغ آدمی (پختہ کار مرد) کی غلامی کا مشورہ دیتے نظر آتے ہیں:

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو　　　　که از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید (۱۷)

ترجمہ: جمہوری طرز سے گریز کر اور کسی مردِ آہن کی غلامی اختیار کر لے کیوں کہ دو سو گدھوں کے دماغ سے انسانی فکر پیدا نہیں ہوتی۔

۱۹۰۸ کے بعد ہم اقبال کی تمام سیاسی جدوجہد کو انھی خطوط پر استوار دیکھتے ہیں۔ وہ ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسائل کو حل کیے بغیر کسی سیاسی تجویز کو قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے دوسری اور تیسری گول میز کانفرنسوں کا بائیکاٹ کیا اور واپس لوٹ آئے کیونکہ وہ ہندوستان کے سیاسی مسائل کو ایک مشترکہ ہندوستانی قومیت کی بنیاد پر دیکھ رہے تھے جبکہ اقبال نے اصرار کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی الگ قومی حیثیت ہے جو ہندوؤں سے مختلف ہے۔ تفصیلات کے لیے یہ خطوط پڑھے جاسکتے ہیں۔ اقبال نے ۱۹۳۰ میں اپنے الہ آباد کے صدارتی خطاب میں باضابطہ طور پر ایک علاحدہ مسلم ریاست کی پیش گوئی کی تھی۔ وہ اپنی پیش بین نظر سے پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبے اور بوچستان کو ایک ہی ریاست میں ضم ہوتا دیکھ رہے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ:

> "برطانوی سلطنت کے اندر یا برطانوی سلطنت کے بغیر، ایک مضبوط شمال مغربی ہندوستانی مسلم ریاست کی تشکیل میرے نزدیک کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کی آخری منزل ہے۔"(۱۸)

ان کا خیال تھا کہ ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام مسلمانوں کو عرب بادشاہت کے اثرات سے پاک ہونے اور ایسی ریاست قائم کرنے کا موقع فراہم کرے گا:

> "اسلام کے لیے ایک موقع ہے کہ وہ اس مہر سے چھٹکارا حاصل کرے جو عرب سامراج نے اسے دینے پر مجبور کیا تھا، اس کے قانون، اس کی تعلیم، اپنی ثقافت کو متحرک کیا تھا، اور انھیں اس کی اپنی اصل روح اور جدید دور کی روح سے قریب تر لایا تھا۔"(۱۹)

اقبال مذہبی بنیادوں پر ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام چاہتے ہیں لیکن مذہب سے ان کا مطلب تھیوکریسی نہیں ہے۔ وہ اسلام کو ایک منفرد ثقافت کے طور پر دیکھتے ہیں، اور انھوں نے خطاب کے آغاز ہی میں اس بات کو واضح کر دیا ہے۔ ان کی نظر میں اسلام کو ایک اخلاقی آئیڈیل کے ساتھ ساتھ ایک خاص قسم کی سیاسیات کے طور پر سمجھا جاتا ہے جس کے ذریعے ایک مخصوص اخلاقی آدرش کے ذریعے منضبط سماجی ڈھانچے کا اظہار ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کی تاریخ

میں بنیادی تشکیلاتی عنصر رہا ہے۔(۲۰)۔ اس نکتے کا تفصیلی مطالعہ اقبال کے اسلامی ثقافت پر فلسفیانہ لیکچرز میں کیا جا سکتا ہے، جو "اسلام میں مذہبی فکر کی تعمیر نو" میں موجود ہیں۔ انہوں نے ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ کو آل انڈیا مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں صدارتی خطاب میں وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسلمان جس مذہب کی نمائندگی کرتے ہیں وہ انفرادی اہمیت کو رد نہیں کرتا بل کہ اسے تسلیم کرتا ہے اور اس کی پرورش و پرداخت اس طرح کرتا ہے کہ وہ اپنی ہستی، اپنے مالک و معبود اور اس کے بندوں کی خدمت کے لیے وقف کر دے۔ اس کے امکانات لا محدود ہیں، اور یہ ہر دور میں نئی دنیا تشکیل دے سکتا ہے:

> " where the social rank of man is not determined by his case or color, or the amount of dividend he earns, but by the kind of life he lives, where the poor tax the rich, where human society is founded not on the equality of stomachs but on the equality of spirits, where an untouchable can marry the daughter of a king, where private ownership is a trust and where capital cannot be allowed to accumulate so as to dominate the real producer of wealth. **This superb idealism of your faith, however, deeds emancipation from the medieval fancies of the theologians and legists.** (۲۱)

اقبال شکایت کرتے ہیں کہ روحانی طور پر برصغیر کے مسلمان تصورات اور جذبات کی قید میں زندگی گزار رہے ہیں جو انہوں نے صدیوں سے اپنے ارد گرد بسائے ہوئے ہیں اور بزرگوں کے لیے یہ باعث شرم ہے کہ انہوں نے نوجوان نسل کو موجودہ دور میں پیدا ہونے والے نازک معاشی، سیاسی اور مذہبی مواقع کے لیے تیار نہیں کیا۔ پوری قوم کو اپنی موجودہ ذہنیت کو مکمل طور پر درست کرنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ ایک بار پھر تازہ امیدوں اور مقاصد کے جذبے کو محسوس کر سکے۔(۲۲) اقبال کو ہر مکتب کے لوگوں سے ہے خواہ وہ عالم دین ہوں، علماء ہوں، صوفی ہوں یا اساتذہ یہی شکایت ہے درج ذیل اشعار دیکھیے:

جوانے خوش گلے رنگیں کلاہے نگاہِ او چو شیر اں بے پناہے

بہ مکتب علمِ میشی رابیاموخت میسر نایدش برگِ گیاہے (۲۳)

ترجمہ: وہ خوب صورت اور خوش لباس نوجوان جس کی نگاہ شیروں کی طرح بے پناہ تھی۔ اس نے مکتب میں بھیڑ بننے یعنی بزدلی کا علم سیکھا اور اب اسے گھاس کا ایک پتّا بھی میسر نہیں آتا۔

بہ این مکتب بہ این دانش چہ نازی کہ ناں در کف ندادو جاں ز تن برد (۲۴)

ترجمہ: تو اس مکتب اور علم پر کیا ناز کرتا ہے جس نے ہاتھ میں روٹی بھی نہ دی اور تن سے جان بھی لے گیا۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو (۲۵)

کس کو معلوم ہے ہنگامہء فردا کا مقام مسجد و مکتب و مے خانہ ہیں مدت سے خموش (۲۶)

علامہ کا فرمانا ہے کہ ملک کے عوام کی اخلاقی تربیت ان ناکارہ طبقے مولویوں یا مبلغین کے ہاتھ میں ہے جن کی مسلم تاریخ و ادب کا علم انتہائی محدود ہے جب کہ اخلاقیات اور مذہب کے علمبردار کو تاریخ، معاشیات اور سماجیات کی عظیم سچائیوں سے آشنا ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی برادری کے ادب و فکر سے بھی پوری طرح واقف ہونا چاہیے۔ ان کی رائے میں ایسے سرکاری اساتذہ وقت کی بڑی ضرورت ہیں۔ وہ مسلمانوں کے تعلیمی مراکز، الندوہ، علی گڑھ کالج، مدرسہ دیوبند اور دیگر سے مطمئن نہیں تھے کیونکہ وہ ایک دوسرے سے الگ اور الگ الگ کام کر رہے تھے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے جدید تعلیمی نظام کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکے جو قومی کردار اور سائنسی تعلیم کے امتزاج سے وجود میں آ سکے۔ اس کے لیے وہ مسلمانوں کے لیے ایک یونیورسٹی چاہتے تھے جس میں جدید نظریات اور مسلم ثقافت کے مطابق تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے۔(۲۷)

اس مختصر مضمون میں اقبال کے افکار کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا ناممکن ہے، اس لیے صرف چند اہم نکات پر بات کی گئی ہے۔ ۱۹۰۸ سے لے کر اب تک اقبال کی رسمی اور غیر رسمی سیاسی اور سماجی جدوجہد کی ایک وسیع تاریخ موجود ہے جس کا مطالعہ اقبال کی سیاسی اور فکری زندگی پر لکھی گئی مستند کتابوں میں کیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔اقبال،کلیاتِ اقبال(اردو)،اقبال اکیڈمی،لاہور،۲۰۱۸،ص؛۱۰۰

۲۔ایضاً،ص:۱۰۹

۳۔ اقبال، "قومی زندگی" پر مشتمل ہے، "مقالاتِ اقبال"، مرتب سید عبدالواحد معینی، شیخ محمد اشرف، لاہور، ۱۹۷۶ص:۴۶۔۴۵

۴۔ایضاً،ص:۵۲۔۵۱

۵۔ایضاً،ص:۵۴۔۵۵

۶۔ایضاً،ص:۵۵

۷۔ایضاً،ص:۱

۸۔عبدالقادر، شیخ، دیباچہ، "بانگِ درا"مشمولہ،کلیاتِ اقبال اردو،ص:۴۳

۹۔اقبال،کلیاتِ اقبال(اردو)،ص:۱۶۲

۱۰۔ایضاً،ص:۱۶۸

۱۱۔ایضاً،ص:۱۶۷

۱۲۔اقبال،کلیاتِ اقبال(فارسی)،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،۱۹۸۱،ص:۶۹

۱۳۔اقبال،کلیاتِ اقبال(اردو)،ص:۲۷۷

۱۴۔ایضاً،ص:۳۷۸

۱۵۔اقبال،کلیاتِ اقبال(فارسی)،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،۱۹۸۱،ص:۶۵۲

۱۶۔اقبال،کلیاتِ اقبال(اردو)،ص:۷۰۹

۱۷۔اقبال،کلیاتِ اقبال(فارسی)،ص:۳۰۵

۱۸۔محمد سلیم،"علامہ اقبال کی سیاسی زندگی"،سنگ میل پبلی کیشن،لاہور،۲۰۰۲،ص:۱۰۵،۹۲

۱۹۔اقبال،" اقبال، "صدارتی خطاب، الہ آباد، ۱۹۳۰ (Presidential Address, Allahabad,1930)" مشمولہ، "اقبال کی تقاریر، تحریریں اور بیانات"(Speeches, Writings, and Statements of Iqbal)، مرتبہ،لطیف احمد شروانی، Iqbalal academy,Lahore،۱۹۷۷،ص:۱۰

۲۰۔ایضاً،ص:۱۱

۲۱۔ایضاً،ص:۳۔۸،۱۱

۲۲۔ اقبال، "صدارتی خطاب، مارچ ۱۹۳۲ (Presidential Address, Allahabad,1930)" مشمولہ، "اقبال کی تقاریر، تحریریں اور بیانات" ص:۳۹

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص:۳۷۲

۲۵۔ ایضاً، ص:۳۸۲

۲۶۔ ایضاً، ص:۵۹۸

۲۷۔ اقبال، "دی مسلم کمیونٹی، ایک سماجی قانونی مطالعہ" مشمولہ، "اقبال کی تقاریر، تحریریں اور بیانات"، ص:۱۳۳

References:

1. Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), Iqbal Academy, Lahore, 2018, p. 100.
2. Ibid., p. 109.
3. Iqbal, "Qaumi Zindagi," Maqalat-e-Iqbal, murattib Syed Abdul Wahid Mueeni, Sheikh Muhammad Ashraf, Lahore, 1976, pp. 45–46.
4. Ibid., pp. 51–52.
5. Ibid., pp. 54–55.
6. Ibid., p. 55.
7. Ibid., p. 1.
8. Abdul Qadir, Sheikh, "Dibacha," Bang-e-Dara, mashmoola Kulliyat-e-Iqbal Urdu, p. 43.
9. Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 162.
10. Ibid., p. 168.
11. Ibid., p. 167.
12. Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Farsi), Sheikh Ghulam Ali & Sons, Lahore, 1981, p. 69.
13. Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 277.
14. Ibid., p. 378.
15. Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Farsi), Sheikh Ghulam Ali & Sons, Lahore, 1981, p. 652.
16. Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 709.
17. Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Farsi), p. 305.
18. Muhammad Saleem, "Allama Iqbal Ki Siyasi Zindagi," Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2002, pp. 92, 105.

19. Iqbal, “Sadarati Khitab, Allahabad, 1930 (Presidential Address, Allahabad, 1930),” mashmoola Iqbal Ki Taqareer, Tehreerein aur Bayanaat (Speeches, Writings, and Statements of Iqbal), murattiba Latif Ahmad Sherwani, Iqbal Academy, Lahore, 1977, p. 10.
20. Ibid., p. 11.
21. Ibid., pp. 3–8, 11.
22. Iqbal, “Sadarati Khitab, March 1932 (Presidential Address, Allahabad, 1930),” mashmoola Iqbal Ki Taqareer, Tehreerein aur Bayanaat, p. 39.
23. Ibid.
24. Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 372.
25. Ibid., p. 382.
26. Ibid., p. 598.
27. Iqbal, “The Muslim Community: A Socio-Legal Study,” mashmoola Iqbal Ki Taqareer, Tehreerein aur Bayanaat (Speeches, Writings, and Statements of Iqbal), p. 133.